قرآنی نظامِ ربوبیت

انفرادی ملکیت:

پچھلے شمارہ میں ہم بتلا چکے ہیں کہ قرآنی نظامِ ربوبیت کا یہ خیالی نظام عملی لحاظ سے اشتراکیت کا مکمل چربہ ہے جس طرح اشتراکیت میں کسی شخص کی ذاتی اور انفرادی ملکیت کا تصور موجود نہیں اسی طرح اس نظامِ ربوبیت میں بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ پھر یہ ذاتی ملکیت بھی دو بڑی قسموں سے متعلق ہے۔ ایک عام اشیائے ضرورت کی ملکیت؛ دوسرے زمین کی انفرادی ملکیت۔ آج ہم پہلی قسم کو زیرِ بحث لانا چاہتے ہیں۔

عدمِ جوازِ ملکیت کے دلائل:

۱۔ اس سلسلہ میں ان حضرات کی طرف سے جو آیت بڑے تد و مد سے پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے:

"یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ" (۲/۲۱۹)

"لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ خرچ کریں، آپ فرما دیجئے، جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہو!"

اس آیت میں لفظ "عفو" کے معنی فالتو (spare) ضرورت سے زائد یا پس انداز شدہ رقم ہے۔ یہ آیت اپنے مطلب میں صاف ہے کہ انسان کو پس انداز شدہ رقم اپنے پاس نہ رکھنی چاہیے بلکہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دینی چاہیے یا بقول پرویز صاحب نظامِ ربوبیت میں مفادِ عامہ کے لیے کھلا چھوڑ دینا چاہیے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی کی ذاتی ملکیت ہی نہ ہو تو وہ پس انداز کیا کرے گا اور خرچ کیا کرے گا اور انفاق سے متعلق سوال کیا پوچھے گا؟ گویا جو آیت ذاتی

ملکیت کے عدم جواز کے لیے پیش کی جاتی ہے۔ ہمارے خیال میں یہی آیت ذاتی ملکیت کی ایک واضح دلیل ہے۔

۲۔ دوسری آیت جو اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے۔ اس کا مفہوم و ترجمہ نہیں ہم بھی ہم پرویز صاحب کی زبانی پیش کریں گے۔

" واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقہم علی ما ملکت ایمانہم فہم فیہ سواء افبنعمۃ اللہ یجحدون " (۱۶/۷۱)

" مختلف افراد میں اکتسابی استعداد کا فرق خدا کی طرف سے ہے (تمہارا اپنا پیدا کردہ نہیں) جس کی وجہ سے محنتوں کے ماحصل (فضل) میں فرق ہوتا ہے، لیکن جن لوگوں کو اس طرح معاشی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے وہ اس زائد پیداوار (یا سرمایہ) کو ان لوگوں کی طرف نہیں لوٹاتے جنھیں اس لیے کم استعداد دی گئی ہے کہ وہ ان کی زیر نگرانی کام کریں (وہ ایسا اس لیے نہیں کرتے کہ ان کا ذہن اس تصور کو قبول نہیں کرتا کہ اس طرح معاشرہ میں سب برابر ہو جائیں۔ یہ ذہنیت درحقیقت خدا کی طرف سے دی ہوئی نعمتوں کے خلاف محاذ پیدا کرنے کے مترادف ہے جس کا نتیجہ تباہی ہے)

آپ نے دیکھا قرآن نے اس مسئلہ کو کس خوبی سے حل کر کے رکھ دیا ہے"

(قرآنی نظام ربوبیت ص ۱۳۹)

اور وہ مسئلہ کیا ہے جسے قرآن نے حل کر کے رکھ دیا ہے؟ وہ مسئلہ یہ ہے کہ:

"اس فاضلہ کمائی کو اپنی ملکیت تصور کر لینا اور جن کا یہ حصہ ہے انہیں نہ دینا اس امر کا اعلان ہے کہ ذہنی استعداد خدا کی نعمت نہیں تمہاری اپنی پیدا کردہ ہے" (حوالہ ایضاً)

اب دیکھیے کہ اس مسئلہ اور اس مسئلہ کے قرآنی حل سے کسی کو بھی انکار نہیں بلکہ یہ آیت بھی "قل العفو" کی ہی تفسیر و تعبیر ہے۔ مسئلہ مختلف فیہ یہ ہے کہ انفرادی ملکیت کا جواز قرآن سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ تو آیت بالا اور اس کے بیان شدہ مفہوم سے یہ باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ معاشرہ میں ایسے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں جن کے پاس فاضل دولت ہوتی ہے۔

۲۔ معاشرہ میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو نادار ہوتے ہیں اور اپنے گزارے کی حد تک بھی نہیں کما سکتے۔

یہ دونوں باتیں انفرادی ملکیت ثابت کر رہی ہیں، اب رہی یہ بات کہ امراء کو چاہئے کہ وہ اپنی فاضل دولت غریبوں کی ضروریات پر صرف کریں تاکہ طبقاتی ناہمواریاں ختم ہو جائیں تو اس حد تک تو یہ سب کچھ درست ہے۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ اس آیت سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ حکومت خود لوگوں سے ان کی محنت کا ماحصل چھین لے، ساری کی ساری ملکیت حکومت کے قبضہ میں آجائے پھر وہ اپنی صوابدید کے مطابق عوام کو ضروریاتِ زندگی مہیا کرے۔ حکومت کو اگر کچھ اختیار ہے تو وہ زکوٰۃ وصول کرنے کا ہے جو امراء کی دولت کا یا کسان کی محنت کے ماحصل کا ایک قلیل حصہ ہوتا ہے اور اس کے لیے قرآن کریم نے "خذ من اموالھم صدقۃ" (۹/۱۰۳) "ان کے اموال سے آپ زکوٰۃ وصول کیجئے"۔

یعنی خُذْ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ یہ لفظ بجائے خود انفرادی ملکیت کی ایک واضح دلیل ہے۔ اس حکم کے علاوہ قرآن کریم نے لوگوں کو یہ ترغیب دی ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد اموال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کریں تو یہ بات بھی انفرادی ملکیت کے جواز کو ثابت کر رہی ہے۔

۳۔ تیسری آیت یہ ہے:

"ضرب اللہ لکم مثلا من انفسکم ھل لکم من ما ملکت ایمانکم من شرکاء فی ما رزقنکم فانتم فیہ سواء تخافونھم کخیفتکم انفسکم۔ کذلک نفصل الآیت لقوم یعقلون" (۳۰/۲۸)

"خدا تمہارے لیے تمہارے حسبِ حال ایک مثال بیان کرتا ہے۔ بھلا تم اپنے غلاموں کو اس مال میں جو ہم نے تم کو دیا ہے شریک کرتے ہو کہ تم سب برابر ہو؟ اس بات سے تم یوں ڈرتے ہو جیسے اپنوں (اپنے ہمسر لوگوں) سے، اسی طرح ہم عقل والوں کے لیے کھول کھول کر آیتیں بیان کرتے ہیں۔

اس آیت کا واضح مفہوم تو یہی ہے کہ اگر تمہیں اپنی ملکیت میں اپنے غلاموں کو برابر کا شریک بنانا محض اس لیے ناقابلِ برداشت ہے کہ وہ ملکیت و اختیار میں تمہارے برابر

دکر تمہارے ہمسر اور شریک بن جائیں گے تو بھلا خدا یہ بات کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ وہ اپنے مملوک مخلوق میں سے کسی کو اپنے برابر کا شریک بنا لے؟ کچھ عقل و ہوش سے کام لو لیکن اس آیت سے بھی اشتراکیت پسندوں نے یہ مفہوم نکال لیا ہے کہ تم کو (یعنی زمینداروں اور کارخانہ داروں کو اپنے نوکروں اور مزدوروں کو اپنے اموال میں برابر کا شریک بنانا چاہیے۔ یہ ایسا مفہوم ہے جس کا آیت بالا کا نہ ابتدائی حصہ تائید کرتا ہے اور نہ آخری۔

مثل مشہور ہے کہ ساون کے اندھے کو ہر یا دل ہی نظر آتا ہے۔ اسی طرح ہمارے اشتراکیت زدہ دوستوں کا حال ہے اور جہاں ارض، رزق اور سواء وغیرہ وغیرہ الفاظ کسی آیت میں دیکھ پاتے ہیں تو انھیں اپنے ذہن کے مطابق توڑنا موڑنا شروع کر دیتے ہیں۔

اسی طرح بعض دوسری آیات بھی جو ذاتی ملکیت کے عدم جواز کے لیے پیش کی جاتی ہیں وہ فی الحقیقت سرمایہ پرستی کا رد تو ضرور ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک آیت سے بھی ذاتی ملکیت کے عدم جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا اور یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام سرمایہ پرستی کا دشمن ہے۔ مال گن گن کر رکھنا اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا ایسا جرم ہے جس کی سزا جہنم ہے۔ بایں ہمہ کسی آیت سے یہ بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ذاتی ملکیت ہی جرم ہے۔

۴۔ ان قرآنی آیات کے بعد پرویز صاحب نے اس سلسلہ میں حدیث سے بھی استفادہ فرمایا ہے، فرماتے ہیں،

"آپ دیکھیں گے کہ قرآن نے کسی رسول کی ذاتی ملکیت کا ذکر نہیں کیا۔ خود حضور خاتم النبیین کے متعلق یہ حقیقت سب کو تسلیم ہے کہ روزمرہ کی اشیاء متعلقہ کے سوا نہ حضورؐ کی کوئی ذاتی ملکیت تھی نہ فاضلہ دولت۔ بلکہ ایک حدیث کے مطابق (جو قرآن کے مطابق ہے اور اس لیے قابل قبول) حضورؐ نے فرمایا، "اِنَّا لَا نُوْرِثُ" "ہمارا کوئی وارث نہیں" "ماترکنا صدقۃ" ہم جو کچھ چھوڑ رہے ہیں۔ وہ سب مفادِ عامہ کے لیے ہے (بخاری ج ۲ ص ۹۹۶) چنانچہ اسی اصول کے مطابق باغِ فدک جو حضورؐ کے ذاتی گزارے کے لیے تھا بطور ترکہ تقسیم نہیں ہوا بلکہ امت کی مشترکہ تحویل میں آ گیا۔"

(قرآنی نظامِ ربوبیت، ص ۲۴)

اب دیکھیے جو حدیث آپ نے عدمِ جواز ذاتی ملکیت کے لیے پیش فرمائی ہے

اس کا ایک ایک فقرہ اور ایک ایک پہلو جوازِ ملکیت پر شہادت دے رہا ہے مثلاً:

۱۔ آپ نے فرمایا ہے کہ قرآن نے کسی رسول کی ذاتی ملکیت کا ذکر نہیں کیا جبکہ قرآن رسول کو ذاتی ملکیت کا حق خود عطا کر رہا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول" (۸/۴۱)

"اور جان رکھو کہ جو کچھ تمہیں غنیمت میں ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول کے لیے ہے"

۲۔ جس حدیث کو آپ نے قرآن کے مطابق سمجھ کر قابلِ قبول فرمایا ہے وہ پوری حدیث باختلافِ الفاظ اس طرح ہے:

"نحن معشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکنا صدقۃ"

"ہم انبیاء کا گروہ نہ خود وارث ہوتے ہیں، نہ کوئی ہمارا وارث ہوتا ہے ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے"

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق صرف انبیاءؑ سے ہے عوام سے نہیں۔ دوسری یہ کہ اگر رسول کی ذاتی ملکیت کچھ نہیں ہوتی تو صدقہ کس چیز کا؟

۳۔ اگر قرآن میں رسول کی ذاتی ملکیت کا ذکر نہیں تو یہ باغِ فدک کدھر سے آگیا؟ کیا رسول اللہ ﷺ کا عمل خدانخواستہ قرآن کے خلاف تھا؟

۴۔ باغِ فدک روزمرہ کی مستعمل اشیاء سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ آپؐ کی ضروریاتِ زندگی کا ایک مستقل ذریعہ تھا اور یہ باغِ فدک صرف حقِ ملکیت نہیں بلکہ حقِ ملکیتِ زمین بھی ثابت کر رہا ہے۔

۵۔ اس باغ کا قصہ آپ نے شروع تو کر لیا مگر پورا ذکر نہیں فرمایا، آگے یہ قصہ یوں چلتا ہے کہ اس باغ کو بطور ورثہ حاصل کرنے کے لیے حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی طرف سے وکیل بن کر حضرت ابوبکرؓ کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ:

ا۔ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ دونوں انفرادی ملکیت حتیٰ کہ زمین کے حقِ ملکیت کو درست سمجھتے تھے۔

ب۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضور اکرمؐ کا مذکورہ بالا قول پیش کر کے حضرت فاطمہؓ کی طرف سے

پیش کردہ دعوے خارج کر دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے لیے حضورؐ کا یہ قول حجت اور اسلامی قانون کا ماخذ تھا۔

ج: حضرت عمرؓ کی خلافت کے دوران حضرت علیؓ نے دوبارہ یہ مقدمہ پیش کر دیا تو حضرت عمرؓ نے یہ باغ حضرت علیؓ کو اس شرط پر واپس کر دیا کہ وہ اسے صرف اپنے ذاتی مصرف میں نہ لائیں گے بلکہ اس میں سے خدا کے حکم کے مطابق یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حصہ بھی نکالا کریں گے۔ جس طرح حضور اکرمؐ کیا کرتے تھے گویا یہ باغ امت کی مشترکہ تحویل سے نکل کر پھر سے انفرادی ملکیت میں آ گیا۔

د: حضرت عمرؓ بھی انفرادی ملکیت کے قائل تھے۔

۶۔ اس باغ فدک پر حضور اکرمؐ کی اپنی گزران بھی تھی اور اسی کی پیداوار سے آپؐ یتیموں، مسکینوں وغیرہ کو بھی اس قدر دیا کرتے تھے کہ آپؐ کے پاس فاضل دولت نہیں رہتی تھی۔ اس طرح کا جود و سخا بھی آپؐ کی انفرادی ملکیت کی واضح دلیل ہے۔

انفرادی ملکیت کے جواز کے احکام کی تاویلات:

اب اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم میں بے شمار ایسی آیات موجود ہیں جو لین دین سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً احکام میراث، احکام تجارت، احکام قرضہ، احکام صدقہ و خیرات، احکام حق مہر وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب آیات انفرادی ملکیت کا جواز ثابت کرتی ہیں۔ اب ایسی آیات کی جو توجیہات پرویز صاحب فرماتے ہیں وہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں:

۱۔ احکام میراث:

احکام میراث کے متعلق ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:

"قرآنی نظام ربوبیت میں چونکہ انفرادی ملکیت اشیائے صرف تک ہی محدود ہوتی ہے، لہٰذا ان احکام کا اطلاق صرف انہی اشیاء پر ہو گا یعنی انسان کا لباس، بستر، فرنیچر وغیرہ اور یہی اشیاء بطور ترکہ آگے منتقل ہو سکتی ہیں اگرچہ اس کی اولاد اس ترکہ کی بھی محتاج نہ ہو گی کیونکہ اس کی تمام ضروریات تو معاشرہ پوری کر رہا ہو گا۔" (قرآنی نظام ربوبیت ۲۲۹)

غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسی بے ضرورت احکام میراث کے نازل کرنے کا

فائدہ کیا تھا۔ جو صرف لباس فرنیچر اور بستر تک کی تقسیم تک ہی محدود رہیں؟ جیسا کہ آپ کو خود بھی اعتراف ہے کہ "اگرچہ اس کی بھی ضرورت نہیں ہوگی" پھر آپ کو یہ بھی اصرار ہے کہ حضور اکرمؐ یہ نظام ربوبیت قائم فرما کر دنیا سے رخصت ہوئے تھے اور ساتھ ہی ساتھ آپ باغ فدک والا قصہ بھی چھیڑ رہے ہیں جو آپؐ کا ترکہ تھا لیکن تقسیم نہیں ہوا، بلکہ قومی تحویل میں چلا گیا۔

یہ تو قرآنی نظام ربوبیت کو برحق ثابت کرنے کا ماحول ہے لہٰذا اس کی یہ تعبیر بتلائی گئی ہے۔ آپ اس ماحول سے باہر نکلتے ہیں تو پھر احکام میراث کی تعبیر بھی بدل جاتی ہے چنانچہ احکام میراث کے متعلق آپ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"اسی مسئلہ وراثت کو لیجئے، قرآن نے وصیت کا حکم دے کر انفرادی مصالح کی حفاظت کا پورا پورا سامان کر دیا تھا۔ فقہ اور روایات نے وصیت کو ممنوع قرار دے کر ان تمام مصالح کو ختم کر دیا جس سے عجب عجب قسم کی الجھنیں پیدا ہو گئیں۔ پھر قانون وراثت میں تفقہ کی غلطیوں نے قرآن مجید کو کچھ کا کچھ بنا دیا جس سے کروڑوں جائز وارث اپنے آباء و اجداد کی جائدادوں سے محروم ہو گئے۔" (قرآنی فیصلے ص ۱۲۲)

اقتباس بالا سے صاف طور پر واضح ہے کہ قرآن کریم نے انفرادی مصالح کی حفاظت کا اتنا مکمل سامان کر دیا ہے کہ کروڑوں جائز وارث اپنے آباء و اجداد کی جائیدادوں سے محروم نہ ہونے پائیں۔ ذاتی ملکیت کے جواز میں اس سے زیادہ واضح ثبوت اور کیا پیش کیا جا سکتا ہے جس کی دوسرے مقام پر آپ خود نفی کر رہے ہیں؟

اسی طرح ایک صاحب نے وقف کے متعلق استفسار فرمایا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"قرآن میں انتقال اموال کی جتنی شکلیں ہیں ان میں سے کہیں بھی اس قسم کے وقف کا جواز نہیں نکلتا، مثلاً خرید و فروخت، بخشش، وصیت، وراثت، قرض، خیرات وغیرہ میں کوئی شکل ایسی نہیں جس میں منتقل کردہ مال دوسرے کی ملکیت میں نہ چلا جائے اور اس طرح اس پر پہلے مالک کا قبضہ برستور رہے۔"

(قرآنی فیصلے ۱۲۳)

اس اقتباس میں بھی بدلائلِ قرآنیہ ذاتی حق ملکیت کا نہ صرف خود اقرار کر رہے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی یہی بات سمجھا رہے ہیں۔ پھر جب نظامِ ربوبیت کا ذکر چھڑتا ہے تو بمصداق دروغ گو را حافظہ نباشد" انہی احکام کی نئی تاویلات میں لگ جاتے ہیں۔

احکامِ صدقہ:

قرآنِ کریم میں صدقات و خیرات کے لیے بہت سے مقامات پر مسلمانوں کو ترغیب دی گئی ہے، ایسے احکامات کے متعلق آپ کا ارشاد ہے:

"ملا یہ چاہتا ہے کہ معاشرہ میں ضرور ایک غریب، تنگدست اور محتاج طبقہ موجود رہنا چاہیے تاکہ وہ صدقات و خیرات کے احکام پر عمل کر سکے۔ یہ تصور سرمایہ دارانہ اور یہودی ذہنیت کی پیداوار ہے۔ یہودی لوگ کیا کرتے تھے کہ پہلے ان ہی لوگوں کو قید کروا دیتے تھے پھر ان کا فدیہ ادا کر کے ان کو چھڑا لیتے تھے، اس طرح فدیہ ادا کرنا ان کا صدقہ و خیرات بھی ہوتا تھا اور ان لوگوں پر زندگی بھر کا احسان بھی۔" (قرآنی فیصلے ص ۴۸)

اس اقتباس میں جہاں تک ملا پر تضحیک و تمسخر کا تعلق تھا اس کا حق تو آپ نے پورا پورا ادا کر دیا مگر سوال یہ ہے کہ ملا ہے کون اور اس کی تعریف کیا ہے؟ اس سوال کا جواب تو علامہ اقبال نے درج ذیل اشعار میں دے دیا ہے، آپ کہتے ہیں، ؎

زمن بر صوفی و ملا سلامے — کہ پیغامِ خدا گفتند مارا!
ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت — خدا و جبرئیل و مصطفٰے را

اب اگر اس میزان پر کسی ملا اور مسٹر پرویز صاحب کو تولا جائے تو شائد آپ تولا ملاؤں سے بھی بھاری نکلیں جس کا جیتا جاگتا ثبوت آپ کی تفسیر "مفہوم القرآن" ہے۔

اور دوسرا سوال یہ ہے کہ آخر ملا بیچارے کا قصور کیا ہے کہ اس پر اس قدر عتاب فرمایا جا رہا ہے۔ اس کا جواب واضح ہے کہ ملا جس طرح سرمایہ پرستی کا دشمن ہے اسی طرح اشتراکیت یا بالفاظِ دیگر آپ کے نظامِ ربوبیت کا بھی دشمن ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں اگر معاشرہ کے مفادات کو افراد کے مفاد کے سامنے ہیچ سمجھا جاتا ہے تو اشتراکیت میں افراد کے مفادات کو معاشرہ کی خاطر کچل کے رکھ دیا جاتا ہے۔ اگر سرمایہ دارانہ نظام ایک انتہا ہے تو اشتراکیت دوسری انتہا ہے اور یہ تو واضح ہے کہ جب کوئی چیز اپنی

انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو اس سے خیر کا پہلو اُٹھ جاتا ہے۔ اسلام نے ان دونوں نظاموں کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ اشتراکیت انفرادی حقِ ملکیت کو بھی افراد سے چھین لیتی ہے اور اسی بنا پر حقِ انفاق کو بھی۔ جبکہ سرمایہ دارانہ نظام میں افراد کو حکومت کے ٹیکس کے بعد دولت جمع کرنے اور اسے اپنی مرضی سے خرچ کرنے کے بعد جملہ اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ اسلام دولت کمانے پر بھی پابندیاں لگاتا ہے خرچ کرنے پر بھی۔ پھر بھی اگر کہیں دولت جمع ہو جائے (جس کا جمع ہو جانا ممکن ہے) تو ایسے طریقے اختیار کرتا ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں جمع شدہ دولت بکھر کر بہت سے افراد کے ہاتھوں میں چلی جائے اور گردش میں رہے۔ اب پرویز صاحب چونکہ نظامِ ربوبیت یا (اشتراکیت) کے داعی ہیں لہٰذا ملّا کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنائیں تو کیا کریں؟ آپ کے خیال میں گویہ صدقہ خیرات کے احکام بھی اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں بلکہ ملّا نے ان کو ایسے معنی دے دیے ہیں اور اگر یہودی لوگوں کو قید میں ڈال کر پھر فدیہ دے کر انہیں چھڑا لیتے تھے تو یہ بھی ملّا ہی کا قصور ہے۔

آپ کی اس قدر برہمی کے بعد بھی معاملہ تو وہی کا وہی رہا کیونکہ آپ کی دونوں بیان کردہ صورتوں میں انفرادی حقِ ملکیت ثابت ہی رہتا ہے۔

دین کے احکام محض عبوری دور کے ہیں:

اب قرآن میں اور بھی کئی طرح کے لین دین سے متعلق احکام موجود ہیں، جیسے تجارت، قرضہ، وصیت وغیرہ۔ ان سب احکام بشمول میراث اور صدقہ کی توجیہ آپ یوں پیش فرماتے ہیں:

> "اب رہا یہ سوال کہ اگر اسلام میں ذاتی ملکیت نہیں تو پھر قرآن میں وراثت کے احکام کس لیے دیے گئے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن انسانی معاشرہ کو اپنے متعین کردہ پروگرام کی آخری منزل تک آہستہ آہستہ بتدریج پہنچاتا ہے اس لیے وہ جہاں اس پروگرام کی آخری منزل کے متعلق اصول اور احکام متعین کرتا ہے، عبوری دور کے لیے ساتھ کے ساتھ راہنمائی دیتا چلا جاتا ہے وراثت، قرضہ، لین دین، صدقات و خیرات وغیرہ کے متعلق احکام اسی دور سے متعلق ہیں جس میں سے گزر کر معاشرہ انتہائی منزل تک پہنچتا ہے۔ جس طرح کوئی ایک معاشرہ جو قرآنی پروگرام پر عمل پیرا ہوتا ہے، بتدریج

آخری نقطہ تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح تمام نوع انسانی بھی رفتہ رفتہ اس انتہائی نقطہ کی طرف جا رہی ہے جس کی نشاندہی قرآن نے کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانی معاشرہ کے تقاضے اب کچھ ایسے شدید ہو چکے ہیں کہ ان کا حل ان قوانین کے بغیر ممکن نہیں جو قرآن نے انتہائی منزل کے لیے تجویز کیے تھے۔ اور جس کا نمونہ نبی اکرم صلعم نے اپنی ذات میں دکھا دیا تھا۔ تمام نوع انسانی کی فلاح و بہبود کے لیے مسلسل محنت اور کاوش لیکن فاضلہ دولت اور ذاتی ملکیت کی نفی۔ یہی ہے وہ نظام ربوبیت جسے قرآن انسانی معاشرہ کی آخری شکل قرار دیتا ہے۔" (قرآنی نظام ربوبیت ص ۲۵)

اس سے اقتباس سے مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ قرآن کے بے شمار اور واضح احکام، جو لین دین سے متعلق ہیں تو وہ سب عبوری اور سے تعلق رکھتے ہیں مگر جس بات کی قرآن نے صرف نشاندہی کی ہے وہ ہی دراصل قرآنی نظام ربوبیت کا پروگرام ہے۔ اب اسے خدا کی حکمت ہی سمجھیے کہ جو چیز انسانی معاشرہ کی انتہائی منزل تھی اس کی تو فقط نشاندہی کی اور جو احکام عبوری دور سے تعلق تھے، انہیں بڑی وضاحت سے بیان کر دیا۔

۲۔ اس نشاندہی والے قرآنی پروگرام (نظام ربوبیت) کی آج اس لیے ضرورت پیش آئی ہے کہ اب انسانی معاشرے کے تقاضے شدید ہو چکے ہیں۔ دور نبوی میں چونکہ یہ تقاضے شدید نہیں تھے لہٰذا اس کی ضرورت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۳۔ اس قرآنی پروگرام کا نمونہ نبی اکرمؐ نے اپنی ذات میں (اپنی امت میں نہیں) مؤقف دکھلا دیا تھا۔ یعنی تمام نوع انسانی کی فلاح و بہبود کے لیے مسلسل محنت اور کاوش لیکن فاضلہ دولت اور ذاتی ملکیت کی نفی۔ اور یہ نفی تو آپ باغ فدک کے سلسلہ میں دیکھ ہی چکے ہیں علاوہ ازیں آپؐ کی وفات کے وقت ایک سفید خچر بھی آپؐ کی ذاتی ملکیت تھی اور ایک زرہ بھی جو کسی یہودی کے پاس کچھ قرضہ کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔ یہ سب باتیں بالکل ذاتی ملکیت کا جواز ثابت کر رہی ہیں اور ہیں بھی وفات کے وقت کی۔ پھر یہ نظام ربوبیت کب رائج ہوا تھا جسے قرآن نے انسانی معاشرہ کی آخری شکل قرار دیا ہے؟

عبوری دور کے احکام کی مزید تشریح: ایک دوسرے مقام پر آپ ان احکامات

لین دین یا عبوری دور کے احکام کی توجیہ اس طرح پیش کرتے ہیں:

"صدقہ خیرات، بیع وشریٰ، لین دین، ترکہ ومیراث وغیرہ کے تمام احکام اس عبوری دور سے متعلق ہیں۔ جوں جوں حالات بدلتے جاتے ہیں، عبوری دور کے یہ احکام پیچھے رہتے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ احکام حالات سے مشروط ہوتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ قرآن میں زنا کی سزا مقرر ہے اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب ہی نہ ہو تو یہ حکم تو موجود رہے گا لیکن نافذ العمل نہیں ہو گا۔

۲۔ قرآن نے قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا مقرر کیا ہے پھر جب غلامی کا وجود ہی ختم ہو جائے تو "کفارہ میں غلام کو آزاد کرو" نافذ العمل نہیں رہیگا۔ اسی طرح اگر کوئی معاشرہ ایسا مرفہ الحال ہو جائے کہ اس میں مسکینوں کا وجود ہی نہ رہے تو یہ حکم بھی ساقط العمل ہو جائے گا۔ اس وقت اسلامی نظام فیصلہ کرے گا کہ اس کے بدلے میں کفارہ کے لیے کیا کرنا چاہیے۔

۳۔ خود ہماری تاریخ میں ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کے زمانے میں لوگ زکوٰۃ کا روپیہ جھولیوں میں لیے پھرتے تھے اور کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ ایسے معاشرہ میں صدقہ وخیرات کے تمام احکام ساقط العمل ہو جائیں گے۔

۴۔ اگر کوئی حکومت ایسا انتظام کر دے کہ ہر ضرورتمند کو حکومت کی طرف سے قرضہ مل جائے تو پرائیوٹ لین دین کے معاملات ختم ہو جائیں گے اور اُن سے متعلقہ احکام بھی جاری نہ رہیں گے۔

۵۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ترکہ چھوڑ کر نہ مرے تو اس پر وراثت سے متعلق احکام نافذ ہی نہ ہوں گے۔

ان مثالوں سے آپ نے دیکھ لیا کہ احکام ہمیشہ حالات سے مشروط ہوتے ہیں اگر حالات ایسے پیدا ہو جائیں جن میں ضرورت باقی نہ رہے تو یہ احکام نافذ العمل نہیں رہیں گے۔ یاد رکھیے اس وقت بھی یہ احکام منسوخ (abro-gate) نہیں ہوں گے صرف ساقط العمل (inoperative) ہو جائیں گے۔

اگر کسی وقت پھر وہی حالات پیدا ہو جائیں تو پھر وہی حکم نافذ العمل ہو جائے گا جس طرح (۶) پانی نہ ملنے کی صورت میں وضو کا حکم ساقط العمل اور تیمم کا حکم نافذ العمل ہو جاتا ہے اور جب پانی مل جائے تو وضو کا حکم نافذ ہو جاتا ہے۔ اور اگر ایسا انتظام ہو جائے کہ ملک میں ہر جگہ پانی دستیاب ہو تو پھر تیمم سے متعلق حکم بالکل معطل ہو جائے گا۔" (قرآنی نظام ربوبیت ص ۲۲۸، ۲۲۹)

اس طویل اقتباس میں آپ عبوری دور کے احکام کا فلسفہ پیش کرتے ہوئے ایک تو لین دین کے معاملات کی حدود سے دُور چلے گئے ہیں۔ بھلا لین دین کے معاملات سے زنا اور وضو و تیمم کے مسائل کا کیا تعلق؟ دوسرے آپ نے عبوری دور کے احکام اور حالات کی شرط کے مفہوم کو گڈ مڈ کر کے خلط مبحث کر دیا ہے۔ تیسرے قاری کے ذہن کو ساقط العمل، منسوخ اور معطل وغیرہ کی اصطلاحوں میں الجھا کر مغالطہ دینے کی کوشش فرمائی ہے لہٰذا توضیح کی خاطر ہم نے آپ کی بیان کردہ مثالوں پر نمبر خود لگا دیے ہیں تاکہ سمجھنے میں آسانی رہے۔

۱۔ زنا اور عبوری دور:

زنا کے متعلق قرآن میں دو مختلف مقامات پر مختلف سزاؤں کا ذکر ہوا ہے۔ پہلا حکم سورۂ نساء میں ہے جو ۶ھ میں نازل ہوئی اس میں درج ذیل سزا کا ذکر ہے:

"واللّٰتی یأتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشہدوا علیہن اربعۃ منکم فان شہدوا فامسکوھن فی البیوت حتی یتوفّٰھن الموت او یجعل اللہ لھن سبیلا۔" (۴/۱۵)

"مسلمانو! تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں ان پر اپنے لوگوں میں سے چار شخصوں کی شہادت لو، اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ موت ان کا کام کر دے یا خدا ان کے لیے کوئی اور سبیل پیدا کر دے!"

اس آیت سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے ایک یہ کہ زانیہ عورت کی سزا "حبس دوام" ہے اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سزا کو بدل کر کوئی نئی سزا تجویز کرنے والے ہیں۔

چنانچہ ایک سال بعد یعنی غزوہ بنی مصطلق کے بعد سورۂ نور میں دُوسرا حکم یہ نازل ہوا:

"الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ (۲۴)

"زانی مرد اور زانی عورت ان میں سے ہر ایک کو سو درّے مارو!"

اب دیکھیے کہ ان دونوں آیات یا احکام کے نزول کا درمیانی وقفہ عبوری دور ہے۔ اس عبوری دور میں سزا ایک ہی تھی۔ اس دور میں کوئی دوسری متبادل سزا یا راہ موجود نہیں تھی۔ کہ اگر حالات ایسے پیدا ہوں تو یہ کر لیا جائے ورنہ وُہ کر لیا جائے والی کوئی بات نہیں تھی۔ پھر جب دوسری سزا کا حکم نازل ہو گیا تو عبوری دور ختم ہو گیا اور نیا حکم آئندہ کے لیے مستقل طور پر نافذ ہو گیا۔ اب سزائے "حبس دوام" ہمیشہ کے لیے ختم یا معطل یا منسوخ ہو گئی۔ اس عبوری دور کے بعد اب سزا صرف سو درّے ہی نافذ العمل ہو گی۔ گویا پہلا حکم یا آیت منسوخ اور دوسرا حکم یا آیت اس کا ناسخ ہے اور ان دونوں احکام یا آیات کا وقفہ درمیانی مدت عبوری دور ہے۔

عبوری دور اور حالات کی شرط:

مندرجہ بالا اقتباس میں دوسرا الجھاؤ آپ نے وضو اور تیمم کی مثال دے کر پیدا کر دیا ہے۔ اس مثال کا تو نہ عبوری دور سے کوئی واسطہ ہے نہ لین دین کے معاملات سے، یہ دونوں حکم ایک ہی دور، ایک ہی زمانہ اور ایک ہی وقت میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں، وُہ حالات سے مشروط نہیں بلکہ شرط سے مشروط ہیں کہ اگر پانی مل جائے تو وضو کر لو اور اگر کہیں پانی نہ ملے تو تیمم کر لو۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر کسی شخص کو پانی نہیں ملا اور اس نے تیمم کر کے نماز ادا کر لی، اب کچھ وقت بعد اسے پانی مل گیا تو وُہ اپنی نماز کو دہرائے۔

(جاری ہے)